بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اپریل سے اشارات کا ایک خاص سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ جون میں رسالے کی ترتیب کچھ ایسی رہی کہ اشاراتِ بیت کو مختصر کر کے لکھا گیا اور ایک مفصل مربوط مبحث کے بجائے گفتگو کی چند چھوٹی چھوٹی کڑیاں بیان کی جاسکیں۔ وہ بھی پوری نہ آسکیں۔ پچھلی مرتبہ چند صفحے بچ گئے، وہ اس مرتبہ دیے جا رہے ہیں۔

اب جو چند ابواب فکر ذہن میں باقی ہیں، خدا سے امید ہے کہ وہ انہیں مسلسل اور مربوط طور پر بیان کرنے کی توفیق دے گا اور ان کا سلسلہ دو تین ماہ میں مکمل ہو جائے گا۔ جملہ محبتوں سے درخواستِ دعا۔

ایک عرصے سے ترجمان القرآن کی اشاعت ماہ بہ ماہ صحیح وقت پر نہیں ہو رہی۔ کئی بار کوشش کی گئی کہ چولی سے چول ٹھیک بیٹھ جائے۔ مگر ادارت، کتابت، سنسر، طباعت اور نظامت کے پانچ مراحل میں کہیں نہ کہیں ہر مرتبہ کوئی خلل آ جاتا ہے۔ مثلاً پچھلا پرچہ ادارت و کتابت کی منزلیں ۱۵ رجون تک طے کر گیا مگر رسالہ چھپ کر دفتر میں ۲۹ رجون کو پہنچا۔ تاہم عمل کی اس گرانی کا یہی علاج ہے کہ حدی خوانی کو تیز تر کر دیا جائے۔ چنانچہ اب جولائی کے شمارے میں صرف چند صفحات کی کمی ہے، اغلباً ۴، ۵ تک کام مکمل ہو جائے گا۔ اگر انتظامی اور طباعی عمل میں کوئی خلل نہ پڑا تو کوئی وجہ نہیں کہ رسالہ ۱۲ رجولائی تک روانہ نہ ہو جائے۔ ایسا ہو تو اگست کا شمارہ یکم یا اس سے پہلے آسکتا ہے۔

اس کے لیے ہم بھی خدا سے مدد مانگتے ہیں، آپ سب بھی آمین کہیں۔

اوّلین اصول یہ کہ کسی کھلے دور میں سیاست کا اسٹیج بھی اگر استعمال کیا جائے تو اپنی بات کی اٹھان سچی خدا پرستی اور پیروئ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے اٹھائی جائے اور تمام گفتگو کا محور یہ تصوّر ہو کہ کسی شخص یا گروہ کی دشمنی فی نفسہٖ مطلوب نہیں ہے، اور نہ کسی کی بے جا پاسداری ہمارا راستہ صرف دین کے تقاضوں کو غالب کرنے کا ہے۔

دوسرا یہ کہ سیاسی اسٹیج کے علاوہ اور بھی بہت سے دائرے ہیں —— مسجدوں کا دائرہ دینی تقاریب کا دائرہ، تعلیم گاہوں کا دائرہ، ادب کا دائرہ —— ان میں سے جس بھی دائرے میں بات کرنے کا موقع ملے اپنے وسیع جذبۂ خیر خواہی اسلام و مسلمین بلکہ سعیٔ فلاحِ انسانیت کو پوری طرح نمایاں کیا جائے اور صاف صاف طریق سے یہ بات واضح کر دی جائے کہ کوئی کسی بھی مذہبی یا سیاسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو اور ہمارے لیے بھائی جذبات رکھتا ہو یا مخالفانہ ہم سب کو سعادتِ دارین کی یکساں دعوت دیتے ہیں، اور سب کو گہرے جذبۂ محبّت سے پکارتے ہیں

اور تیسری اہم بات یہ کہ انفرادی دائروں میں مختلف طریقوں سے رابطے پیدا کر کے ہر قسم کے لوگوں تک پوری دعوتِ اسلامی کو پہنچایا جائے۔ ابتداً بات خواہ کسی وقتی مسئلے سے چھڑے یا موسم سے، آہستہ آہستہ اصل موضوع تک پہنچ جانا چاہیے۔ لوگوں سے پوچھیے کہ جو زندگی گذار رہے ہو، کیا وہ سکون کی زندگی ہے؟ کیا تمہیں کسی خلاء یا گھٹن کا احساس نہیں ہوتا؟ پوچھیے کہ یہ دولت پرستی اور اسراف کے تماشے اور گرانی اور معیارِ زندگی کی دوڑ، ان کا تجربہ کرنے کے بعد کیا محسوس کرتے ہو؟ ——

تمہیں ہر طرف سے بدعنوانی اور خیانت اور زیادتی کا خوف لاحق نہیں رہتا؟ کیا جرائم کی وجہ سے تم اپنے آپ کو ہر جگہ غیر محفوظ نہیں سمجھتے ہو؟ پھر جب انسانوں کے دلوں میں چبھے ہوئے کانٹے گرفت میں آجائیں تو اُن کو بتلائیے کہ ان کا علاج صرف ایک ہی ہے۔ خدا کی ہدایت اور رسول اللہؐ کا اسوہ، لوگوں سے کہیے کہ تم کسی بھی فقہی فرقے سے تعلق رکھتے ہو، تم جس بھی سیاسی گروہ سے اپنے آپ کو وابستہ کیے ہوئے ہو۔ تم خواہ ووٹ ہمارے کسی مخالف کو دیتے ہو، ہم ان بحثوں میں تمہیں پڑتے صرف تمہاری بھلائی کے لیے توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ خدا کو صحیح طریق سے مانو، اس کے دین کو گلے لگا کے چلو، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے قرآن کو پڑھو، سمجھو اور اسے غالب کرنے کی کوشش کرو۔ لوگوں سے کہیے کہ وہ تمام لوگ جو خدا کے کلمہ کو سوچ سمجھ کر قبول

کریں وہ مل جُل کر معاشرے کو بُرائیوں سے بچانے کی جدوجہد کریں اور اگر اس کام میں ہمارے ساتھ ہو کر چلنا پسند ہو تو بسم اللہ!

میں یہاں اسلام کی اساسی دعوت کے لیے تمام مختلف اسالیب کو طرح طرح کی عبارتوں میں جمع نہیں کر سکتا، میرا منشا یہ ہے کہ دعوتِ حق کو عوام میں پہنچانے کا طریق کار کیا ہونا چاہیے۔

اس طریق سے اگر ایک شخص مہینے میں دس آدمیوں سے تفصیلی رابطہ پیدا کرتا ہو تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک برس میں بہت سے افراد کو تحریک اسلامی کے دروازے پر لا کھڑا کرے گا۔

یہ کام چھوٹی موٹی مجالس اور تقریروں کے ذریعے بھی ہونا چاہیے۔ ایسی مجالس میں تقاریر کا انداز اتنا دلنشیں ہونا چاہیے کہ موافق اور مخالف لوگ خود بخود کھنچے چلے آئیں۔ ایک دفعہ جہاں ایسی آواز بلند کی گئی ہو، وہاں کئی دنوں تک محلوں اور گھروں میں اس کا چرچا ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر دوبارہ وہاں ایسا انتظام کیا جائے تو بغیر کسی لمبے چوڑے پروپیگنڈے کے معمولی اطلاع پر خاصی تعداد مجلس میں شریک ہو جائے۔ کم تعداد ہو تو کوئی ضروری نہیں کہ آپ لاؤڈ اسپیکر استعمال کریں یا اونچی اونچی آواز میں تقریر کریں۔ نہیں، اُن کے درمیان بیٹھ کر دھیمی دھیمی باتیں کریں۔ ایسی باتیں جو سننے والوں کو سوچنے پر مجبور کر دیں، اُن کے ذہنوں میں تحریک پیدا کریں، اور اُن کے اندر کچھ نئے سوالات اپنے متعلق بھی اور معاشرے کے متعلق بھی اُبھرنے لگیں۔

ایسی ہر مجلس اور ہر تقریر کے بعد لوگوں کو مزید وقت دیا جائے کہ ہم لوگ فلاں جگہ ٹھہرے ہیں۔ وہاں اتنے بجے سے اتنے بجے تک اگر آپ میں سے کوئی صاحب یا آپ کے حلقۂ تعارف میں سے کوئی دوست ہم سے مل کر کوئی بات پوچھنا چاہیں تو ہم منتظر رہیں گے۔ یہ صورت کہ جلسے یا مجلس میں تقریر ہوئی اور مطلع صاف، یہ تو موثر قسم کی سیاست کے لیے بھی کافی نہیں، کجا کہ دینِ حق کی دعوت کا معاملہ ہو۔

پتہ ماری کا یہ مشکل کام ہے جس کے بدلے میں ہم لوگ جلسوں اور پوسٹروں پر اکتفا کر لیتے ہیں، نتیجہ یہ کہ وقتی معاملات سے متعلق رابطے پیدا ہوتے ہیں، لیکن بنیادی دعوت کے متاثرین کے حلقے تیزی سے وسیع نہیں ہوتے۔ اور دعوت کے اثرات کہیں پڑتے بھی ہیں تو سرسری قسم کے، ویسے نہیں جیسے پہلے کبھی ہوتے تھے۔ یعنی جس نے پیغام کو قبول کیا اُس کی فکری اور عملی زندگی

میں ہل چل مچ گئی۔

یہی صورت از سرِ نو پورے زور سے جاری رہنی چاہیے۔ ہماری ساری کامیابی کا دارومدار اسی پر ہے۔ اس کے بغیر نہ کوئی انتخاب نتیجہ خیز ہوگا، نہ انقلاب!

توسیعِ دعوت اور ترضیحِ دعوت میں جو کمی ابھی ہے اس کا بہت بڑا اثر تحریک ۱۹۷۷ء میں محسوس ہوا۔ برسوں سے اسلام کے تحریکی تصور پر کام کرنے والوں نے یہ منظر دیکھا کہ لمبی محنت سے انہوں نے جو فصل اُگائی تھی اُسے کاٹنے کے لیے ہاتھ موجود نہ تھے۔ حقیقتِ دین، دعوتِ حق اور نظریۂ تبدیلی کی وضاحت کے لیے تا دیر لٹریچر کے فیلیے، پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعے، نیز انفرادی سطح پر کام کیا جاتا رہا۔ لوگوں کے سوالات کے جوابات دیے جاتے رہے، اعتراض کا توڑ کیا گیا، دورِ جدید کے ادارات پر اسلامی اصولوں کے انطباق کی بحثیں ہوئیں۔ آج کے بعض مسائل کے متعلق اجتہادی راہ عمل کی نشاندہی کی گئی، اصولِ تدریج کی اہمیت زیرِ غور آئی، مگر جب فیصلے کا وقت آیا تو اوسط درجے کا مذہبی آدمی یہ اندازہ نہ کر سکا کہ آپ میں اور دوسروں میں فرق کیا ہے؟ آپ نے اسلامی نظام کا سفر طے کرتے ہوئے جو مصیبتیں اُٹھائی تھیں اور جو سنگِ میل نصب کیے تھے، اُن کی طرف کثیر التعداد لوگوں کی توجہ نہیں گئی۔ یا اُن کو جیسے کچھ معلوم ہی نہ ہوا بس ایک سلوگن کے ساتھ لوگ بہتے جا رہے تھے۔ جو آپ کو پہچانتے تھے وہ آپ کے ساتھ ہو کر، اور جو کسی دوسری طرف دلچسپی رکھتے تھے وہ اُدھر وابستہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تحریک کے منفی پہلو نے جو اتحاد پیدا کر رکھا تھا وہ مثبت پہلو میں برقرار نہیں رہ سکا، بلکہ مثبت پہلو سے تو ایسے ایسے لطیفے ہوتے کہ سر چکرا جاتا رہا۔ قسمیں کھا کھا کر کہا جاتا رہا کہ ایک گھنٹے میں اسلامی نظام (یا نظامِ مصطفٰے) قائم ہو سکتا ہے۔ آپ جس جامد اور فرقہ پرست مذہبیت سے لوگوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ اب اسی کی صفِ قیادت آپ کے ساتھ شانہ ملائے کھڑی تھی اور آپ مجبور تھے کہ اس کو عوام کے احترام و توجہ کا مستحق بنائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا خواب تحریک پریشان ہو گیا۔

اس سے سبق کیا ملا؟ سبق یہ ملا کہ اس جذباتی سیلِ عوام میں جو خاصی وقیع تعداد آپ پر

اعتماد کرتے ہوئے آپ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، وہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جنہوں نے آپ کی دعوت کو سمجھا تھا اور آپ کے طریق کار اور آپ کے تصورِ نظام کے امتیازی خدوخال سے آگاہی حاصل کر رکھی تھی۔ بقیہ وہ تمام لوگ جن کے جذبۂ دینی میں تو وقتاً فوقتاً حرکت پیدا کی جاتی رہی تھی، لیکن دعوت کی تفہیم پوری طرح نہ ہو سکی تھی، وہ جن لوگوں کے حلقۂ اثر میں تھے، انہی کے ساتھ اقدام کرتے رہے۔ اگر اس بقیہ تعداد کو یا اس کے بڑے حصے کو بھی پچھلے سالوں میں اقامتِ دین، غلبۂ دین اور طریق انقلاب کا شعور دلایا جا سکا ہوتا تو وہ بھی آپ کا ساتھ دیتے۔

اب آئندہ کے لیے ایسا پروگرام بنانا چاہیے کہ آبادیوں کے اندر اتر کر، لوگوں پر وقت صرف کر کے، انہیں اقامتِ دین کے طریق کار کا شعور دلایا جائے۔ اُن کے ٹیڑھے میڑھے جذبات کو درست کیا گیا۔ اُن کے ذہنوں سے زنگ اُتارا جائے۔ اُن کے شکوک اور اندیشوں کا ازالہ کیا جائے، اُن کے مغالطوں کو رفع کیا جائے، اُن میں جو فرقہ واریت اور گروہ پرستی کام کر رہی ہے، اُسے بہت ہی احتیاط سے محو کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ دُنیا بھر کی اسلامی تحریکات کے مجموعی قافلے کے ساتھ چلنے کے قابل ہو جائیں۔

اس اشد ضروری کام میں ٹال مٹول سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس خلاء کو دوسری ظاہر و محسوس سرگرمیوں سے پُر نہ کیا جا سکے گا، اور اس کوتاہی کے نقصانات سے آئندہ کے کسی فیصلہ کُن تاریخی لمحے میں بچا نہ جا سکے گا۔

پھر کیوں نہ ہم میں سے ہر شخص اس بنیادی کام کی اہمیت پر زور دے، کیوں نہ ہم دوسروں کو بھی اس پر توجہ دلاتے رہیں۔ اور کیوں نہ ایسا ہو کہ اگر کوئی دوسرا اُسے کما حقہ کرنے یا کرانے والا نہ بھی ہو تو ہم بطورِ خود اُسے انجام دیں؟

میرا ذہن اس بارے میں شروع سے یکسو ہے، میں جتنا ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۰ء کے دور میں سیاسی اہمیت پر زور دیتا رہا ہوں ۔۔۔۔۔۔ اس وقت بھی میری توجہ دعوت کے اساسی کام سے نہیں ہٹی اور آج بھی میرا شعور جوں کا توں ہے میرا نقطۂ نظر تو یہ ہے کہ تمام سیاسی سرگرمیوں کا بھی اہم ترمفاد یہ ہے کہ وہ دعوت کے لیے نئے راستے بنانے کا ذریعہ ہوں۔

بنیادی اصولی دعوت پر اتنا زور دینے کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ہمارے ارد گرد آگ لگ جائے تو ہم اسے بجھانے کے لیے کچھ نہ کریں اور آگ لگانے والوں یا بھڑکانے والوں کو بھی دعوت ہی دیتے رہیں۔ نہیں ہم ایک طرف آتش فروزوں کے ہاتھ پکڑنے اور ان کو بے بس کرنے کی کوشش کریں گے، اور دوسری طرف آگ بجھانے کے لیے پورا زور لگائیں گے۔

بسا اوقات کسی ملک یا قوم کے عین وجود کے لیے، اس کے اساسی نظریے کے لیے، یا اس کی آزادی کے لیے یا اس کے اندر صحیح کام کرنے کی کھلی فضا کے لیے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے ملک ایسے ہیں جن کے لیے خود ان کی حکومت ہی بہت بڑا سامانِ ضرر بن جاتی ہے، کہیں اپوزیشن کے مورچے پر کوئی خطرناک عنصر قابض ہو جاتا ہے، کہیں بیرونی طاقتیں اپنے زر خرید ایجنٹوں کو تخریبی عمل کے لیے مامور کر دیتی ہیں۔ ان ساری صورتوں میں جدھر جدھر سے کوئی خطرہ نمودار ہو اس کی زد سے قوم کو بچانے کی سعی کرنا ہر داعیِ اسلام کا فرض ہے، جب کہ قوم اور ملک سے اسلامی مقاصد کی تکمیل کی امیدیں وابستہ ہوں۔

آج ہم جس قسم کے حالات سے دوچار ہیں اس میں پاکستان اور اس میں بسنے والی امتِ اسلامیہ بیک وقت کئی اطراف سے خطروں کی زد میں ہے۔ ایسے حالات میں داعیانِ اسلام پر جو فرض عاید ہوتا ہے، انھیں اپنی نگاہِ بصیرت سے اسے پہچاننا چاہیے۔ جہاں بیرونی خطرات سر پر لٹکے ہوئے ہوں وہاں اندر کی مصیبتوں پر صبر کر کے توجہ ادھر کرنی پڑتی ہے۔ بعدۂ کوئی راستہ ملے تو حکومت ہو یا اپوزیشن کا ذہن رکھنے والے عناصر یا عوام، ان میں سے ہر ایک کے لیے جذبۂ خیر خواہی رکھتے ہوئے ان کی اصلاح کی سعی کرنی چاہیے، اور کسی بھی جانب سے کوئی غلط چیز نمودار ہو اس پر گرفت کرنی چاہیے۔

کسی ملک کے لیے بڑی آزمائش ہوتی ہے، اگر اس کی حکومت کا رخ درست نہ ہو، لیکن اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ اس کی اپوزیشن کے عناصر محض منفی سوچ بچار رکھتے ہوں لیکن مثبت حیثیت سے نہ ان کے پاس صحیح نظریہ ہو، نہ کردار، نہ مردانِ کار۔ بلکہ وہ غلط سے غلط سلوگن اور ہتھکنڈے اختیار کر سکتے ہوں اور برے سے برے عناصر کے ساتھ تعاون پر تیار ہوں۔ اور اس سے بھی زیادہ بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ کوئی قوم خود اپنے

بھلے بُرے سے بیگانہ ہو جائے اور اُس کے افراد محض ذاتی زندگی بنانے اور کمائیاں سمیٹنے اور نفر بجات سے لطف اٹھانے میں لگ جائیں۔

یہ کہنے کی جرأت کیسے کی جائے کہ ہمیں کونسی آزمائش اور کون کون سی بدقسمتی در پیش ہے۔ لیکن ایک بات کہی جاسکتی ہے کہ کچھ نہ کچھ مشکل امتحانی لمحات سے ہم گزر رہے ہیں اور کئی قوتیں ہمارے وجود کو مٹانے اور مسخ کرنے اور اُسے دوسروں کی غلامی میں دینے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔

ایسے حالات میں آپ سیاسی دائرے کو چھوڑیے اور جلسوں کو بھول جائیے، سیدھے اپنے عوام اور شہریوں تک پہنچیے اور اُن سے انفرادی سطح پر دین، ایمان، آزادی اور سالمیت وطن کی بات کیجیے۔ لوگوں کے ذہنوں کو جمود اور انتشار کی حالت سے نکال کر دین برحق کے تقاضوں پر متحرک کیجیے اور پیش آمدہ خطرات کی مزاحمت کے لیے انہیں تیار کیجیے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو، آپ معاشرے کے کارآمد عنصر کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اکٹھا کھڑا کر یں جو دعوتِ اسلامی کے سلسلے میں محض آپ کی تائید کرنے والے اور نعرے لگانے والے ہی نہ ہوں بلکہ وہ اس دعوت کو اپنی چیز سمجھیں۔ انہیں براہ راست اس کا فہم حاصل ہونا چاہیے۔ اور اُن کے دلوں میں اس کی قدر ہونی چاہیے، اُن کے اندر اس کے لیے محنت اور قربانی کا جذبہ ہونا چاہیے۔ وہ نظامِ اسلام کے برپا ہونے کے لیے بے چین جذبات رکھتے ہوں۔ اس مہم میں ہمہ تن مصروف ہوں۔ ناواقف لوگوں کے شکوک و شبہات کے جواب دے سکیں۔ عام لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر سکیں۔ مایوسانہ رجحانات سے لوگوں کو نکال سکیں، مخالفوں کی مخالفت کا مقابلہ کر سکیں۔ اور شریر لوگوں کی شرارتوں کو ناکام کر سکیں۔ آپ انہیں کسی کام کے لیے پکاریں تو وہ چاروں طرف سے لبیک کہتے ہوئے لپکیں۔ دین اور خادمانِ دین کے معاندین اگر ارادۂ بد سے کوئی حرکت کریں تو وہ ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔ نظامِ حق کا قیام عمل میں آئے تو اپنے اندر سے اُسے چلانے کے لیے باصلاحیت افراد فراہم کریں۔ اور اُن کی بقیہ تعداد اس کا خیر مقدم کرنے والی اور خوش دلی سے اُسے اپنے اوپر نافذ کرنے اور اُسے آگے تک پھیلانے والی ہو۔

پھر دعوتِ اسلامی کی مسلسل چلتی رہنے والی مہم کے نتیجے میں ہر شعبۂ زندگی میں مردانِ کار اُبھر آئیں،

(باقی برصفحہ ۴۸)